شہناز کوثر

فریدالدین عطار

Abstract: - *Shaikh Fareeduddin Attar is a renowned Sufi poet of Iran, whom Maulana Jalal uddin Roomi believed his spiritual leader. In this article a brief sketch of his life and work and beauty of his work have been discussed that keeps his work still alive.*

شیخ فریدالدین محمد نام اور عطار تخلص۔ ایران کے اُن صوفی شعراء میں سے ایک جنہیں چھٹی صدی ہجری کا نصف آخر اور ساتویں صدی کا نصف اول دیکھنے کو ملا۔ ان کی کنیت ابو طالب بتائی جاتی ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کے مطابق 537ھ بمطابق 43-1142ء میں شادیاخ (جو بعد میں مغلوں کے ہاتھوں برباد ہوگیا) میں پیدا ہوئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انھیں نیشاپوری تصور کیا جاتا ہے شاید اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ نیشاپور جب مکمل طور پر ویران ہوگیا تو 538ھ بمطابق 44-1143ء میں نیشاپور کے دائیں جانب شادیاخ شہر آباد ہوگیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جو عطار نے اپنے بچپن میں دیکھا اور بعد میں جب مغلوں کے ایک بڑے حملے نے شادیاخ کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تو نیشاپور اُس تمام علاقے پر پھیل گیا جو کبھی ''شادیاخ'' کہلاتا تھا۔ ایران کے محقق قاضی نوراللہ کے مطابق عطار کا سالِ پیدائش 513ھ بمطابق 20-1119ء اور ہدایت کے مطابق 512ھ بمطابق 19-1118ء ہے۔ شبلی نعمانی نے ''شعرالعجم'' میں عطار کا سالِ ولادت شعبان 513ھ بمطابق 20-1119ء اور سال وفات 627ھ بمطابق 30-1229ء بتایا ہے۔ اس اعتبار سے اُن کی عمر لگ بھگ 114 برس بن جاتی ہے جو شاید درست نہ ہو اس لیے قاضی نوراللہ کی بتائی گئی تاریخ وفات 618ھ بمطابق 1221ء قرینِ قیاس ہے(۱)۔

شبلی نعمانی نے اُن کا اصل نام محمد بتایا ہے اور لقب فریدالدین، تخلص عطار۔ شبلی نعمانی کے مطابق عطاری اُن کے والد کا پیشہ تھا یعنی وہ خوشبو کا کاروبار کرتے تھے (۲)۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ اُن کے والد کا یہ

پیشہ اُن کے نام کا جزوِ اعظم بن گیا۔ شبلی نعمانی نے ''شعر العجم'' میں لکھا ہے کہ فریدالدین عطارؔ تصوف اور فقر کے کوچہ میں آنے کے بعد بھی اپنے آبائی پیشہ سے منسلک رہے یعنی ذریعہ آمدن عطاری کا پیشہ ہی رہا اور وہ رشد و ہدایت کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ اسرار اور عرفان کے حقائق پر کتابیں بھی تصنیف کرتے رہے۔ خود اُن تصانیف میں اپنی دیگر مشغولیات کے متعلق لکھتے ہوئے اُنھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ محض عطار نہیں تھے بلکہ طبابت کو بھی بطور پیشے کے اپنا رکھا تھا۔ کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں کہ روزانہ اُن کے مطب پر لگ بھگ پانچ سو مریض حاضری دیتے تھے۔ تصوف کی جانب اُن کا رجحان اپنے والد ابوبکر ابراہیم بن اسحاق کی وجہ سے بھی ہوا، جو اپنے دور کے ایک مشہور مجذوب قطب الدین حیدر کے مرید تھے۔ وہ مجذوب بزرگ 597ھ بمطابق 1200ء تک زندہ رہے اور عطار نے بچپن سے لے کر لگ بھگ 84 برس کی عمر تک اُن سے فیض حاصل کیا۔ فریدالدین عطار اُس مسلک سے تعلق رکھتے تھے جس میں رہبانیت کو گوارا نہیں کیا جاتا اور مجاہدات اور ریاضتوں کے ساتھ ساتھ دنیاوی مشاغل سے منع نہیں فرمایا جاتا۔ فریدالدین عطار کے تصوف کی طرف جھکاؤ سے متعلق مولانا جامی نے ایک عجیب و غریب واقعہ درج کیا ہے مولانا جامی لکھتے ہیں:

" کہتے ہیں کہ اُس کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک دن شیخ عطار اپنی دکان میں عطاری کے کام میں مشغول تھے کہ ایک درویش اُس جگہ آیا اور چند بار ''شئی اللہ'' کہا۔ اُس نے درویش کی طرف توجہ کی تو اُس نے کہا کہ اے خواجہ! تو کس طرح مرے گا؟ عطار نے جواب میں کہا جس طرح تو مرے گا۔ درویش نے یہ سن کر کہا کہ کیا تو میری طرح مر سکتا ہے؟ عطار نے کہا بے شک درویش نے یہ سن کر اپنا لکڑی کا کشکول اپنے سر کے نیچے رکھا اور ''اللہ'' کہہ کر مر گیا۔ اس واقعہ سے عطار کا حال متغیر ہو گیا۔ دکان لٹا دی اور تصوف کی راہ پر چل نکلا (۳)۔"

مشہور محقق دولتؔ شاہ کا خیال ہے کہ فریدالدین عطار اُس درویش کے حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد مشہور صوفی رکن الدینؒ کے حلقۂ ارادت میں چلے گئے۔ شبلی نعمانی کا خیال یہ ہے کہ بے شک یہ واقعہ پیش آیا ہوگا لیکن اُن کے والد کا اہلِ تصوف ہونا اور بچپن سے اپنے والد کے مرشد مجدالدین بغدادیؒ کے حلقے میں بیٹھنے کے ساتھ فریدالدین عطار تصوف کی طرف جھکاؤ تو رکھتے ہی تھے البتہ اُس حیرت ناک واقعہ نے آگ پر

تیل کا کام کیا۔ مختلف محققین نے یہ بھی بتایا ہے کہ تصوف کی طرف آنے کے بعد اُنھوں نے طویل مدت تک سیاحت بھی کی۔ اس سیاحت کا احوال ''لسان الغیب'' پڑھ کر کھلتا ہے۔ دولت شاہ کے مطابق یوں تو انھوں نے مختلف بزرگوں سے فیض پایا لیکن خرقۂ فقر مجدالدین بغدادیؒ سے حاصل ہوا، یاد رہے کہ یہ بزرگ اُس دور کے مشہور مسلمان جرنیل اور بادشاہ خوارزم شاہ کے طبیب خاص تھے۔ ''ریاض العارفین'' سے پتہ چلتا ہے کہ جس زمانے میں چنگیز خان اپنے یکتائے روزگار تیرانداز بیٹے جوجی خان کے ہمراہ اسلامی دنیا کو زیروزبر کر رہا تھا تو خوارزم شاہ منگولوں کے اُس لشکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان کی طرف نکلا۔ یہ سوچ کر کہ منگولوں کے اس اٹھتے ہوئے طوفان کو ہندوستان سے کمک لے کر روکا جائے۔ اُس کے اس ارادے کو چنگیز خان نے بھانپ لیا تھا لہٰذا اُس نے خوارزم شاہ کو اُس کے لشکر سے الگ کر کے پیچھا کرنے کی ٹھانی اور اس حکمتِ عملی میں کامیاب بھی ہو گیا یہ ثابت ہے کہ ہندوستان میں داخل ہو کر خوارزم شاہ نے درۂ خیبر سے گزر کر اٹک کے مقام سے دریائے سندھ (قدیمی نام دریائے نیلاب) کو عبور کرنا چاہا، جہاں دو دریا مل کر بہہ رہے ہیں یعنی دریائے سندھ اور دریائے کابل۔ یہ الگ بات ہے کہ خوارزم شاہ نے گھوڑے سمیت بلندی سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ اس موقع پر چنگیز خاں نے جوجی خاں کو تیر چلانے سے منع کر دیا صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ پانی کی اُس تیز دھار پر خوارزم شاہ تیر سکتا ہے یا نہیں اور اُن کے دیکھتے ہی دیکھتے خوارزم شاہ نے تیر کر دریا عبور کر لیا۔ لیکن اس کے بعد خوارزم شاہ ساری زندگی گمنامی میں رہا۔ اُسی زمانے میں منگول لشکر کی لوٹ مار کے دوران جب نیشاپور میں ایک منگول نے فریدالدین عطار کو قتل کرنا چاہا تو ایک دوسرے منگول نے جانے کیا سوچ کر عطار کو ایک ہزار درہم میں خرید لینے کا خیال ظاہر کیا۔ عطار نے اُس منگول سے جو انھیں قتل کرنا چاہتا تھا یہ کہا کہ مجھے ایک ہزار میں نہ بیچنا فوراً قتل کر دو یا کچھ دیر انتظار کرو۔ تمھیں اس سے کہیں زیادہ قیمت مل جائے گی، اس لیے کہ میری قیمت بہت زیادہ ہے۔ جب وہ گاہک مایوس ہو کر چلا گیا تو ایک شخص وہاں سے ایسا گزرا جس کے پاس گھاس پھوس کا ایک بڑا گٹھر تھا اُس نے بھی عطار کو اُس گٹھر کے بدلے میں خریدنا چاہا۔ تب عطار نے کہا مجھے فوراً اس کے ہاتھ بیچ دو اس لیے کہ میں گھاس پھونس سے بھی کم اہمیت کا آدمی ہوں۔ اُس منگول نے فریدالدین عطار کے اِن دونوں بیانات پر جب غور کیا تو اس اختلاف بیانی کے سبب وہ اُسے

تمسخر سمجھا اور فریدالدین عطار کو اُسی وقت شہید کر دیا۔ وہ کم عقل منگول اس نکتہ کو سمجھ ہی نہ سکا کہ انسان سے بڑھ کر کوئی چیز گراں نہیں ہے اور نہ ہی اُس سے بڑھ کر کوئی چیز ارزاں ہے۔ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ فریدالدین عطار کی شہادت کے بعد جب وہاں کے لوگوں کو اس سانحے کا علم ہوا تو اُنھوں نے ماتم کیا۔ تب اُس منگول کو معلوم ہوا کہ میں نے کتنا قیمتی شخص ضائع کر دیا وہ اس دکھ کے سبب فریدالدین عطار کے مزار پر ساری زندگی کے لئے بیٹھ گیا اور تادمِ مرگ مجاوری کرتا رہا۔

شبلی نعمانی، براؤن، عبدالوہاب قزوینی اور ڈاکٹر رضازادہ شفق کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق خواجہ فریدالدین عطار کی مصدقہ تصنیفات درج ذیل ہیں:۔

(۱) ''اسرارنامہ'' (۲) ''الٰہی نامہ'' (۳) ''مصیبت نامہ'' (۴) ''خسرونامہ'' (۵) ''پندنامہ'' (۶) ''شرح القلب'' (۷) ''وصیت نامہ'' (۸) ''جوہر الذات'' (۹) ''مظہرالعجائب'' (۱۰) ''لسان الغیب'' (۱۱) ''جواہرنامہ'' (۱۲) ''منطق الطیر'' (۱۳) ''بلبل نامہ'' (۱۴) ''حیدرنامہ'' (۱۵) ''گل و ہرمز'' (۱۶) ''سیاہ نامہ'' (۱۷) ''مختار نامہ'' (۱۸) ''خسرو نامہ'' (۱۹) ''تذکرۃ الاولیاء'' (۲۰) ''غزلوں اور رباعیات کا دیوان''۔

واضح رہے کہ ان میں سے عطار کی بیشتر کتب ایسی ہیں جو مسلسل تحقیق کے بعد مختلف محققین نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر شائع کروائیں ہیں مثلاً اُن کی غزلیات اور رباعیات یکجا حالت میں نہ تھیں جنھیں یکجا کر دیا گیا اور یورپی محقق اور نقاد براؤن نے ''تذکرۃ الاولیاء'' نہ صرف ڈھونڈ نکالی بلکہ اُسے شائع بھی کروا دیا۔

فریدالدین عطار کی شاعری اور اُن کی شعری نظریات کے علاوہ اُن کے دور کی فارسی شاعری اور معاصر شعراء کے حوالے سے عبدالوہاب قزوینی کا لکھا ہوا ''تذکرۃ الاولیاء'' کا دیباچہ از حد اہمیت رکھتا ہے خود شبلی نعمانی نے اُس دیباچے سے عطار کے سلسلے میں کافی مدد لی۔

''منطق الطیر'' عطار کی ایک تمثیلی مثنوی ہے، جو چار ہزار چھ سو اشعار اور پینتالیس مقالوں پر مشتمل ہے۔ آغاز حمد سے ہوتا ہے اُس کے بعد نعت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی منقبت میں اشعار کہے گئے ہیں۔

فریدالدین عطار کی یہ مثنوی تصوف کو سمجھنے کے سلسلے میں از حد اہمیت کی حامل ہے۔ یوں تو عطار کے اشعار کا بڑا حصہ اُن کی مثنویوں پر مشتمل ہے اور وہ سب کی سب مثنویاں صوفیانہ مضامین سے متعلق ہیں۔ لیکن انھوں نے مثنوی ''منطق الطیر'' باقاعدہ منصوبے کے تحت تخلیق کی اور یہ کوشش کی کہ وہ اس کے ذریعے تصوف کے الجھاؤ کو دور کریں اور تصوف کے مضامین کو آسان بنائیں۔

اس مثنوی میں عطار نے پرندوں کے حوالے سے ایک سفر کا حال بیان کیا۔ یہ سفر پرندوں نے سیمرغ سے ملنے کے لئے اختیار کیا۔ یوں یہ جو کہا جاتا ہے کہ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے تو یہ مثنوی اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے۔ اس مثنوی میں سیر کے ساتھ ساتھ سلوک، کوشش اور ریاضت کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ ساری چیزیں آدمیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے یعنی حقیقت کو پالینے کے لیے ضروری ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ حقیقت کو پالینے تک کا راستہ سراسر تکالیف سے پُر ہے۔ یعنی اس راستے کو صرف مستقل مزاج اور بردبار انسان ہی طے کر سکتا ہے۔ ان تمام مقامات پر پہلا مقام جستجو اور طلب کا ہے یعنی جب تک دل میں سچی طلب نہ ہو تو کمال کے راستے پر قدم اٹھانا ہی محال ہے۔ یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''جوئندہ یابندہ'' تو گوہرِ مقصود کے حصول کے لیے کوشش اور صبر و استقامت شرطِ اول ہے۔ عطار کہتے ہیں:۔

جدوجہد ایں جاست با ید سالہا
ز آنکہ ایں جا قلب گردد سالہا

دوسرا مقام، مقامِ عشق ہے۔ یعنی انسان کو گوہرِ مقصود سے ایسی محبت ہونی چاہئے کہ وہ بے خطر راہِ نثار پر چل پڑے۔ اس راستے پر چلنے سے نہ گھبرائے، نہ ڈرے، نہ شک میں پڑے اور نہ نیک و بد کے تصورات اُسے پریشان کریں۔ عطار کہتے ہیں کہ اپنے مقصود کی دلجوئی اور خدمت کے معاملے میں عاقبت اندیشی کو اختیار نہ کیا جائے۔ یعنی عشق میں سوچنے سمجھنے اور آخری جہاں سے متعلق فکر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ عطار کہتے ہیں:۔

بعد از آں وادیٔ عشق آمد پدید
غرقِ آتش شد کسی کا نجا رسید

تیسرا مقام معرفت کا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں چلتے ہوئے مختلف مذاہب کے ماننے والوں نے اپنی اپنی سمجھ اور عقیدے کے مطابق مختلف انداز اختیار کیا۔ یعنی کسی نے بتوں کی پوجا کی اور کسی نے محراب میں سر ٹیک دیا۔ یہ وہ منزل ہے جس میں اپنی اپنی ذاتی قدر کے مطابق اسرار کھلتے ہیں۔ راہِ کمال میں لاکھوں گم ہو جاتے ہیں اور کوئی ایک ایسا ہوتا ہے جس پر یہ اسرار واضح ہوتے ہیں بقول عطار:

صد ہزاراں مرد گم گردد مدام
تا یکے اسرار بیم گردد تمام

چوتھا مقام استغنا کا ہے۔ اس مقام پہ داخل ہونے والا عارف تین خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے۔

۱۔ دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز ہو۔
۲۔ طفلانہ ہوسوں میں گرفتار نہ ہو۔
۳۔ بلند نظر ہو۔ یعنی اُس کی نظر میں دنیا ایک ایسا نقش ہو جو تختۂ سیاہ پر چاک سے اُتارا جاتا ہے اور پھر اُس نقش کو ڈسٹر سے مٹا دیا جاتا ہے۔

پانچواں مقام توحید ہے۔ عطار کہتے ہیں کہ عارف جب اس مقام کا درک حاصل کر لیتا ہے تو اُس کی آنکھوں میں کثرت کی رنگا رنگی نہیں رہتی بلکہ وہ کثرت میں وحدت دیکھتا ہے۔ محبوب حقیقی کے علاوہ اس کے لئے ہر چیز نابود ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر منصور حلاج اور سرمد ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ من و تو کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور وہ اِنّ الحق کا نعرہ لگاتے ہیں۔ فریدالدین عطار کہتے ہیں:۔

چوں یکیں باشد ہمی نابود دوئی
ہم منی بر خیزد ایں جا ہم توئی

چھٹا مقام حیرت ہے۔ یہ مقام از حد مشکل ہے۔ وہ اس لیے کہ عارف کو اس مقام سے گزرنے کے

لئے آوارگی کی وادی کو پار کرنا پڑتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں دیگر حاصل کردہ علوم خام اور محدود تھے۔ لہٰذا وہ مبہوت ہو جاتا ہے اس حیرت زدگی میں وہ اپنی ہستی تک کو بھول جاتا ہے۔ لیکن یہاں سے نکلنا اور فنا کی منزل تک پہنچنا ضروری ہے۔

ساتواں مقام فنا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر انسان کی خود پرستیاں اور نخوتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یوں وہ عالمِ وحدت کا جزو بن جاتا ہے۔ بالکل اُس ساز کی طرح جو دیگر سازوں میں ہم آواز ہو جاتا ہے یوں آفرینش کا نغمہ جنم لیتا ہے۔ فریدالدین عطار نے ان سات مراحل کو بڑی سہولت کے ساتھ اس مثنوی میں پیش کیا ہے۔ اُس نے صوفیانہ مطالب کو ادا کرنے کے لئے کہیں تو حکایتیں بیان کی ہیں اور کہیں تمثیلیں۔ یوں اِن خشک اور مشکل موضوعات کو انھوں نے پر لطف بنا دیا ہے۔

مثنوی ''منطق الطیر'' کی ابتداء یوں کرتے ہیں کہ ایک دن تمام پرندے اکٹھے ہوئے اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ دنیا میں کوئی آبادی ایسی نہیں جس میں ہر کسی کا شہریار نہ ہو کیوں نہ ایسا کریں کہ اپنے اپنے شہریار کو ڈھونڈ نکالیں۔ ہُدہُد جو تمام پرندوں کا قاصد تھا بولا کہ ہمارا شہریار سیمرغ ہے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ جیسا بھی ہو وہ تمام پرندوں کو سیمرغ کی بارگاہ تک پہنچا دے گا۔ لیکن شرط ایک ہی ہے کہ اس دور دراز، دشوار گزار سفر کے راستے کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں گی۔ یہ سُن کر بہت سے پرندوں نے بہانہ بازی شروع کر دی۔ باقی جو اس سفر پر نکلے اُن میں سے اکثر راہِ وصال کی دشواریوں کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ یہاں تک کہ صرف تیس پرندے ایسے رہ گئے جو طلب، عشق، معرفت، استغناء، توحید، حیرت اور فنا کی سات خطرناک وادیوں کو طے کر کے سیمرغ کی بارگاہ میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ وہاں پہنچ کر اُنھوں نے جب سامنے نگاہ کی تو اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہوں۔ اُنھیں سیمرغ نظر نہ آیا۔ اُس آئینے میں صرف وہی تیس پرندے دکھائی دے رہے تھے۔ لہٰذا وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اصل سیمرغ تو اب وہ خود ہیں۔ یعنی وہ اپنے آپ کو جہالت اور بے خبری کی وجہ سے اپنے باطن میں نہیں بلکہ خارج میں تلاش کر رہے ہیں حالانکہ وہ سیمرغ تو اُن کے اندر ہمہ وقت موجود تھا (۴)۔ بے شک فریدالدین عطار نے یہاں یہ ثابت کر دیا کہ:

''میں تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں'' (القرآن)

''منطق الطیر'' میں عطار نے پرندوں کا جو سفر دکھایا ہے اُس میں سیر، سلوک، راہِ کوشش اور ریاضت کا حال بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور یہی وہ منزلیں ہیں جو آدمیت کے اعلیٰ درجے پر پہنچنے اور حقیقت کے حصول کے لیے طے کرنا ضروری ہیں۔

مثنوی ''منطق الطیر'' کے علاوہ فریدالدین عطار نے بہت سی دیگر مثنویاں بھی تخلیق کیں۔ جیسے ''مصیبت نامہ''، ''الٰہی نامہ''، ''خسرو نامہ''، ''پند نامہ''، ''اسرار نامہ''، ''جواہر نامہ''، ''مختار نامہ'' اور مثنوی ''شرح القلب''۔ ان تمام مثنویوں میں انھوں نے تصوف کے مسائل بیان کئے اور بعض مقامات تو ایسے ہیں کہ جہاں اُنہوں نے شاعرانہ کمال دکھانے پر ادنیٰ معنی کی وضاحت کو فوقیت دیتے ہوئے شعریت سے خالی اشعار کہہ دیئے۔ بلکہ بعض مقامات تو ایسے ہیں کہ معنی کو واضح کرنے کے شوق میں وہ شعر گوئی کے آداب و رسومات سے بھی تجاوز کر گئے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ان مثنویات کے اب صرف نام ملتے ہیں، تمام مثنویات دستیاب نہیں۔ صرف اُن کے بارے میں مختلف تذکرہ نگاروں نے جو باتیں کی ہیں وہی ہم تک پہنچتی ہیں مزیدار بات یہ ہے کہ عارف شعراء کے امام مولانا جلال الدین رومی بھی عطار کو اپنا روحانی پیشواء کہتے ہیں اور اُن کے مقابلے میں خود کو ہیچ شمار کرتے ہیں۔ مولانا رومؔ کا ایک شعر ہے:۔

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت
ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

شیخ فریدالدین عطار نے خراساں کے دیگ شعراء کی طرح قصائد بھی لکھے ہیں۔ اُن کے قصائد اُن کی مثنویوں کی طرح لُغت اور پندوعرفاں کے لیے وقف نہیں۔ اُن کے موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔ بعض قصائد ایسے ہیں جن میں عطار نے قرآن کی آیات پر تضمین کی ہے۔ یوں اُن کے قصائد اُن کے دیگر معاصرین سے کافی حد تک الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔ اُس دور کی قصیدہ نگاری کی ایک خصوصیت قصائد میں تغزل کا رنگ تھا جبکہ عطار نے تغزل سے یکسر کام نہیں لیا اور یوں وہ فرخیؔ، منوچہریؔ اور عنصریؔ کی شاعرانہ روش اور لحن

سے مختلف ہو گئے۔ عطار کے کلام میں اُس دور کے بڑے قصیدہ گو شعراء کی سی پختگی اور استحکام اسلئے دکھائی نہیں دیتا کہ وہ پیشہ ور قصیدہ گو شاعر نہ تھے اور نہ اُن کا تعلق دربار سے تھا۔ دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پیشہ ور قصیدہ گو انعام کی لالچ میں تعریف کرتے ہوئے ایسے شاعرانہ کمالات کی جستجو کرتا ہے جو اسے بالآخر انعام سے سرفراز کروادے۔ لیکن عطار کا معاملہ چونکہ ایسا تھا کہ انھوں نے شخصیات کی مدح سرائی سے اپنا دامن یکسر بچائے رکھا اس لیے اُس طرح کے شاعرانہ کمالات بھی ان کے ہاں دکھائی نہیں دیتے۔ عطار خود کہتے ہیں:۔

"بہ عمر خویش مداح کس نہ گفتم"

یوں عطار نے صرف نعت گوئی کو ہی اپنے قصائد کا موضوع چنا یا پھر قرآن کی آیات کے مطالب کو تضمین کے ذریعے آگے بڑھایا، یا دنیا کی ناپائیداری، معرفت کے مضامین اور غفلت میں ڈوبے ہوئے مسلمان کو جگانے کی بات کی۔ جہاں تک قرآنی، دینی اور اخلاقی قصائد کا معاملہ ہے تو عطار پر صرف سناؔئی، ناصرؔ خسرو کو ہی سبقت حاصل ہے۔ دیگر شعراء پھر بھی عطار سے آگے نہ بڑھ سکے۔

مرزا مقبول بیگ بدخشانی نے ''ادب نامہ ایران'' میں عطار کے قصائد پر بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ عطار کے قصیدوں میں تشبیب یا تغزل نہیں اور دیگر خراسانی شعراء کے قصائد محض مدحت سرائی کے لیے مخصوص تھے، لیکن عطار نے اس روش سے الگ راہ بنائی۔ اس میں ملا سناؔئی نے عطار سے پہلے صوفیانہ رنگ میں کہا لیکن سوز و گداز اور تحریک پیدا کرنے میں وہ عطار کے مرتبے کو نہیں پہنچے (۶)۔

عرفان اور تصوف سے متعلق صوفیانہ غزل کہنے میں عطار پر صرف اُستاد سنائی کو سبقت حاصل ہے۔ لیکن صوفیانہ مضامین کے ساتھ شیریں کلامی، سوز اور وجد آفرینی عطار کے چند ایسے اضافے ہیں کہ سنائی کی غزل بھی اُن کی غزل کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہاں تک کہ جلال الدین رومی اور حافظ نے اُن کی غزل کو اپنے لئے بطور ماڈل کے چُنا۔ فریدالدین عطار کے غزلیات سے متعلق دیوان میں آتشِ عشق، سوزِ محبت اور شورِ وحدت کے وہ مظاہر دکھائی دیتے ہیں جنھیں پڑھ کر صاحب دل قاری کے دل میں آگ سی لگ جاتی ہے۔ اُنکے اشعار میر تقی میرؔ کے اشعار کی طرح شور انگیز ہیں:۔

دست در دامنِ جاں خواہم زد
پائی بر فرق جہاں خواہم زد

چوں مرا نام و نشاں نیست پدید
دم زبی نام و نشاں خواہم زد

فریدالدین عطار کی ان آگ لگانے دینے والی غزلوں کا یہی بنیادی کمال ہے اور تصوف سے قلبی جڑت اور عرفان مقامِ وحدت پر پہنچے اور وصال احدیت کے درک کیلئے اپنے آپ سے گزر جانا اور جسمانی آلائشوں سے پاک ہوجانا لازم ہے۔ لہٰذا جب فریدالدین عطار اس راستے پر چلے تو اُن کے ہاں کلام کی یہ خوبی پیدا ہوئی۔

فریدالدین عطار کی غزلیات میں ایک خوبی اور ہے اور وہ ہے اوزان میں تنوع۔ انھوں نے عام طور پر مترنم اور دلنشیں اوزان اختیار کیے ہیں۔ عطار کی غزلوں میں پیچیدگی کے مقابلے میں سادگی کا عُنصر غالب ہے۔ پھر اُنھوں نے معنی کے مقابلے میں الفاظ کی کبھی پروا نہیں کی۔ پھر اُنھوں نے تشریح کرنے کے موقع پر نکتہ پروازی، بُلند پروازی اور ضائع بدائع سے کام لیا ہے مثلاً اُنھوں نے محبوب کے دانتوں کو مرجان سے تشبیہہ دی ہے، ٹھوڑی کو سیپ سے، زُلف کو کہیں تورات سے، کہیں چور سے، کہیں زنجیر سے اور کہیں کُفر سے تشبیہہ دی ہے۔ کفر سے تشبیہہ دینا قدرے دوراز کار تشبیہہ دکھائی دیتی ہے لیکن دیکھیے کہ جب زُلف نے سرخ وسپید چہرے کے اردگرد حلقہ بنا رکھا ہو تو وہ سُرخ وسپید چہرہ ہوا اسلام اور سیاہ زُلف ہوئی کُفر۔ محبوب کے چہرے کی خال کو کبھی رنگی بچے سے تشبیہہ دیتے ہیں اور کبھی دانا سے۔

پروفیسر براؤن نے ایران کے مشہور محقق مرزا محمد قزوینی کے حوالے سے ''مظہر العجائب'' کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب ''فارسی ادب کی تاریخ'' میں لکھا ہے کہ اس کتاب سے خواجہ فریدالدین عطار کے انتہائی شیعہ رُجحانات کا پتا چلتا ہے کہ پھر اُن کی شاعری میں بھی کہیں کہیں اس طرح کے اشارے مل جاتے ہیں ''مظہر العجائب'' کو پڑھ کر سمرقند کے ایک سُنی عالم نے فریدالدین عطار پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اور صرف اسی پر

اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ ترکمان کے روبرو فریدالدین عطار پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے انہیں سمرقند سے جلاوطن کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ جب سمرقند کے حاکم نے عطار کو سمرقند چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تو آپ مکہ معظمہ چلے گئے اور قیام مکہ کے دوران اپنی کتاب ''لسان الغیب'' تحریر کی۔

فریدالدین عطار کی دیگر نثری کتب میں یہ کتاب چھیانوے اولیائے کرام اور صوفیاء و مشائخ کے اخلاق و کردار اور سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب صوفیاء کے باطنی تجربوں اور ان کے ذوق وشوق، افکار اور معتقدات سے متعلق معلومات فراہم کرتی ہے۔

فریدالدین عطار کے فارسی شاعری پر اثرات:

بقول شبلی نعمانی صوفیانہ شاعری کے چار ارکان ہیں:۔ (۷)

۱۔سنائی ۲۔اوحدی ۳۔خواجہ فریدالدین عطار اور ۴۔مولانا روم فرماتے ہیں:۔

ع ما از پس سنائی و عطار آمدیم

اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نظم ونثر میں عطار کس مقام اور مرتبے پر فائز تھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے بعد آنے والے شعراء اور عارفین نے ان کا گہرا اثر قبول کیا۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق اور دیگر محققین اس بات پر مُتفق ہیں کہ مولانا جلال الدین رومی نے نہ صرف عطار کے صوفیانہ طرز بیان اور افکار کی پیروی کی ہے بلکہ مثنوی لکھنے کا طریق کار اور حکایتوں میں اپنا مطلب بیان کرنا ان ہی سے سیکھا ہے بلکہ بعض جگہ تو شیخ کی عین عبارت ہی نقل کردی ہے۔ یاد رہے کہ سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے شعری مجموعے ''شاہ جو رسالو'' میں ''سُر کارایل'' کے عنوان سے ''منطق الطیر'' کی طرز پر تمثیلی انداز میں راہ سلوک کی منازل بیان کی گئی ہیں۔ کسب فیض کا یہی حال دیگر شعراء کا بھی ہے خاص طور پر حافظ شیرازی نے فریدالدین عطار سے بہت کچھ سیکھا۔ غیر صوفی شعراء پر بھی ان کا اثر پڑا۔ حافظ شیرازی ایک ملامتی صوفی شاعر تھا اور انھوں نے فارسی شعراء میں لازوال شہرت حاصل کی۔ بہت ممکن ہے کہ فریدالدین عطار نے سمرقند سے اخراج کے بعد

مذہبی معاملات میں جو نتائج اخذ کیے ہوں حافظ شیرازی نے اُسی سے اثر قبول کیا ہو۔

شبلی نعمانی کے مطابق فریدالدین عطار نے تصوف کے جو خیالات ادا کیے ہیں وہ شاعری کی حد تک حکیم سنائی سے زیادہ دقیق نہیں لیکن عطار کی زبان اس قدر صاف ہے کہ اس وصف کا گویا ان پر خاتمہ ہو گیا۔ وہ ہر قسم کے خیالات اس بے تکلفی اور روانی سے ادا کرتے ہیں کہ نثر میں بھی اتنی سہولت کے ساتھ مُدعا بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

بقول ڈاکٹر مرزا حامد بیگ: ''بطور فلاسفر فریدالدین عطار نے سقراط، فارابی اور بوعلی سینا کی نظریہ سازی کو جھٹلایا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ دانشوری کی سطح پر بھی وہ ایک مُنفرد مقام پر فائز تھے'' (۸)۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ محمد ریاض ڈاکٹر وصدیق شبلی ڈاکٹر کی ''فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ''، مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور: طبع اول 1996ء میں بھی ایرانی محقق قاضی نوراللہ ہی کی بتائی گئی تاریخ وفات 618ھ دی گئی ہے۔ دیکھیے ص:56

۲۔ فریدالدین عطار شیخ کے والد کا نام ابوبکر ابراہیم تھا۔ بحوالہ ''فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ'' از ڈاکٹر محمد ریاض و ڈاکٹر صدیق شبلی۔ ص:55

۳۔ نورالدین عبدالرحمٰن جامی مولانا کے بیان کردہ اس واقعہ کا حوالہ مولانا شبلی نعمانی کی ''شعرالعجم'' (حصہ دوم) میں بھی مل جاتا ہے۔ دیکھیے ''شعرالعجم'' (حصہ دوم) مطبوعہ: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، لاہور: س۔ ن، ص:10 نیز دیکھیے ''فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ'' از ڈاکٹر محمد ریاض و ڈاکٹر صدیق شبلی، ص:56

۴۔ مقبول بیگ مرزا بدخشانی کے مطابق اس تمثیلی مثنوی کے تیس پرندے، تیس سالک ہیں اور سیمُرغ اُن کا محبوب ہے۔ پرندوں نے سفر میں جو مصیبتیں دیکھیں وہ دراصل راہِ سلوک میں سالکین کو پیش آنے والی وہ صعوبتیں ہیں جنہیں عارف کی ریاضتیں اور مُجاہدے کہا جا سکتا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ''ادب نامہ ایران'' مطبوعہ نگارشات لاہور، ص:413 تا 415

۵۔ دیکھیے سورۃ قٓ، پارہ:26، آیت:15

۶۔ مقبول بیگ مرزا بدخشانی: ''ادب نامہ ایران'' لاہور، نگارشات، ص:414 تا 415

۷۔ شبلی نعمانی، مولانا: ''شعرالعجم'' (حصہ دوم)، لاہور: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام ص 12

۸۔ حامد بیگ، ڈاکٹر مرزا: ''عالمی کلاسیک'' مطبوعہ لاہور: اورینٹ پبلشرز، طبع اول جنوری 2001ء، ص: 33

تعارفِ کتب

(۱) جدید رسمیات تحقیق

مصنف:۔ عطش درانی

اشاعت:۔ 2005

سائز:۔ 9"x6"

صفحات:۔ 608

ناشر:۔ اردو سائنس بورڈ

قیمت:۔ 720

موضوع اور مواد سے سو فیصد مطابقت رکھنے والے ٹائٹل والی اِس کتاب کے آغاز میں پیش لفظ اور مقدمہ ادبیات اصولِ تحقیق کے زیرِ عنوان تحریریں موجود ہیں۔ پیش لفظ مصنف کی اعلیٰ ظرفی اور مقدمہ مصنف کی موضوع کے ساتھ محبت اور اس کے گہرے مشاہدے کا گواہ ہے۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) تحقیق: فن، سائنس یا تکنیک (۲) جدید تحقیق: تعارف و اقسام (۳) تحقیقی منصوبے سے خاکے تک (۴) ادبی ولسانی تحقیق (۵) لسانیاتی تحقیق (۶) تجرباتی تحقیق کا تجزیہ (۷) مطالعہ وحصول کوائف (۸) کوائفی تجزیات وشمار (۹) تدوینِ متن (۱۰) تصحیح وتدوینِ متن (۱۱) اُسلوبیاتِ تحقیق (۱۲) تحقیق نگاری (۱۳) حوالہ وکتابیات نگاری (۱۴) مابعد یاتِ تحقیق۔

اس کے علاوہ ضمیمے کے زیرِ سایہ مندرجہ ذیل عنوانات موجود ہیں۔ الف: نمونے کے

خاکے، ب: فارم برائے ممتحن مقالہ، ج: نمونے کی کتابیات (ہیئتیں)، د: تسوید/ مطبع/ پروف خوانی کی ہدایات، ر: تحقیقی نمونے۔ کتاب کی آخر میں کتابیات، ماخذ اور اشاریہ بھی شامل ہیں۔

اردو سائنس بورڈ کی یہ اہم ترین اشاعت M.A اور M.Phil کی درسی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ عام علم دوست قارئین کے لیے بیش بہا علمی خزانہ ہے۔

(۲) ادب کی نسائی ردِ تشکیل

ادارت:۔ فہمیدہ ریاض

اشاعت:۔ فروری ۲۰۰۶ء

سائز:۔ ساڑھے "8x5

صفحات:۔ 175

ناشر:۔ وعدہ کتاب گھر ہاؤس نمبر 52 دارالامان ہاوسنگ سوسائٹی حیدر علی روڈ کراچی

قیمت:۔ 150 روپے

فہمیدہ ریاض کی زیر صدارت شائع ہونے والی یہ کتاب ادبی عورت کے انسانی وجود کا اثبات اور جہاں اس کی نفی ہوئی اس کی نشاندہی پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز فہمیدہ ریاض کی تحریر ردِ تشکیل آخر کیوں؟ سے ہوتا ہے۔ جس کے بعد موجود مضامین کی ترتیب اس طرح ہے۔

عزیز احمد کی فکشن اور عورت: خالدہ حسین، تھہیم کی تلاش: سید محمد اشرف، ن۔م راشد حیران اور

پریشان عورت: فہمیدہ ریاض، منٹو، عورت اور وارث علوی: نجمہ منظور، بیدی کی کہانیوں میں عورت: پُرش اور پراکتی: فاطمہ حسن، مفتیا اور عورت: تنویر انجم، چند سوال: نسرین انجم بھٹی، میلہ گھومنی کی بازدید: آصف فرخی، ٹی وی ڈرامے اور اشفاق احمد: نیلم حسین، اردو ادب میں عورت کا تصور مرد کی نظر میں: بادشاہ منیر بخاری، عورت مرد ناول نگار کی نظر میں: سعدیہ خلیل، تصور زن اور ردِ تشکیل ایک تبادلہ خیالات۔

(۳) فیمنزم اور ہم

ادارت:۔ فاطمہ حسن

اشاعت:۔ جون 2005

سائز:۔ ساڑھے "9"x5

صفحات:۔ 212

ناشر:۔ وعدہ کتاب گھر 1/532 شاہ فیصل کالونی کراچی 75230

قیمت:۔ 150 روپے

اس کتاب کے اندر انیسویں صدی کے وسط سے حال تک ایسے مرد ادیبوں اور دانشوروں کی نشاندہی کی گئی ہے جنھوں نے عورت کو مساوی حقوق دینے کے لیے تاعمر جدوجہد کی اور کر رہے ہیں۔ خواتین کے تاریخی ادبی اظہار ذات اس کے ارتقا اور اس کے سماجی پس منظر کا احاطہ کرتی ہوئی کتاب مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے۔

پیش لفظ فاطمہ حسن، فیمنزم اور پاکستانی عورت: انیس ہارون، تحریک نسواں کے

علمبردار: صغرا مہدی، کہانیوں کا اولین خالق: انتظار حسین، فیمنزم اور ہم: فہمیدہ ریاض، اردو ناول میں عورت کی سماجی حیثیت: صغرا مہدی، زاہدہ خاتون شہروانیہ: شان الحق حقی، لکھنو کی پردہ نشین خاتون: سید تمکین الکاظمی، گزشتہ صدی سے عہد حاضر تک: فاطمہ حسن، ڈاکٹر رشید جہاں: شاہد نقوی، عصمت چغتائی کا نسائی شعور: تنویر انجم، حکایت شریں: ڈاکٹر آصف فرخی، نسائی شاعر کا سماجی پس منظر: سعدیہ بلوچ، نسائی حیثیت کا اظہار اور شعری پیرائے: شاہدہ حسن، گلیاں، دھوپ، دروازے: فہمیدہ ریاض، نسائی خود شناس اور فہمیدہ ریاض: خالدہ حسین، فیمنزم سر آنکھوں پر: عطیہ داؤد، ہمارے ادب اور فنون لطیفہ میں میچور عورت کہاں ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ عزوجل

مصنف:۔ پروفیسر خان حسیب اللہ خان

اشاعت:۔ مارچ 2005

سائز:۔ ساڑھے "8x5

صفحات:۔ 339

ناشر:۔ پروفیسر خان اکیڈیمی آف سائنسز بی 3 مہران ویو پلازہ بندر روڈ، سکھر

قیمت:۔ ندارد

پروفیسر حبیب اللہ خان کی تحریر اول ''گذارش ہے'' کے بعد اس کتاب میں مندرجہ ذیل ۳۲ عنوانات کے زیر سایہ تحریریں شامل ہیں۔ ۱۔ سائنس اور اللہ تعالیٰ، ۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ۳۔ ایمانیات ۴۔ اصول دین جن میں کل انبیا متفق ہیں ۵۔ وجود باری تعالیٰ ۶۔ وحدانیت ۷۔ معبود برحق ۸۔ حیات و بقا ۹۔ خلق و ایجاد ۱۰۔ علم و حکمت ۱۱۔ سمع و بصر ۱۲۔ ارادہ ۱۳۔ مشیت ۱۴۔ قدرت

۱۵۔ کلام ۱۶۔ ربوبیت ۱۷۔ رزاقیت ۱۸۔ نرمی و شفقت ۱۹۔ رحمت ۲۰۔ عفو (درگذر کرنا) ۲۱۔ مغفرت و بخشش ۲۲۔ موت و حیات ۲۳۔ ملک و ملکوت ۲۴۔ حلم (بردبار) ۲۵۔ غنی (بے نیاز) بے پرواہ ۲۶۔ عدل و شکر ۲۷۔ احسانات اللہ تعالیٰ ۲۸۔ تقدیر الٰہی ۲۹۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ۳۰۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ۳۱۔ تسبیحات ۳۲۔ مزید تسبیحات۔

(۵) نقد عمر (مجموعہ مقالات)

مصنف :۔ عارف نوشاہی

اشاعت:۔ اپریل 2005

سائز:۔ ساڑھے "8x5

صفحات:۔ 421

ناشر:۔ اورینٹل پبلی کیشنز 35 رائل پارک لاہور

قیمت:۔ 250 روپے

اس کتاب میں ایسے موضوعات کو پیش کیا گیا ہے جن کے ذریعے خطے کی ادبی اور تہذیبی تاریخ کے پوشیدہ گوشے گمنام مصنفین و شعرا کے حالات اور غیر متعارف آثار و کتب کے کوائف سامنے آسکیں۔ ''حکایت نے'' کے زیر عنوان ان مقالات کے متعلق مصنف خود لکھتے ہیں: ''یہ مجموعہ مقالات کا نقش ثانی ہے۔۔۔ کن جہاں تک زیر بحث موضوعات پر میری کسی حتمی رائے کا سوال ہے تو معزز قارین سے درخواست ہے کہ وہ اسے رسائل میں سابقہ اشاعتوں کی بجائے پیش نظر مجموعہ مقالات سے اخذ کریں۔

کتاب میں موجود مواد کی ترتیب مندرجہ ذیل عنوانات کے زیر سایہ ہے۔

(۱) مصنفین اور شعرا (۲) تاریخی، تہذیبی، تنقیدی، ادبی مباحث (۳) آثار و کتب اور ضمیمہ۔

مصنفین اور شعرا: بدرالدین بدر کشمیری: حالات اور تصانیف، سید محمد بن جلال شاہی رضوی: چند فارسی تصانیف کا تعارف محمد ہاشم کشمی کے بعض فارسی رسائل کی بازیافت، نصراللہ بن عبدالسلام بھیری اٹکی: بارہویں صدی میں پنجاب کے ایک مصنف اور کاتب، میر امین الدین خان ہروی تتوی کی علمی خدمات، محمد ہاشم ایمن آبادی اور ان کی تصانیف، بابا محمد عثمان کشمیری: شاہ ولی اللہ دہلوی کے ایک شاگرد کے حالات و تصانیف۔

تاریخی، تہذیبی، تنقیدی، ادبی مباحث

برصغیر میں عوارف المعارف کی مقبولیت ہر چند شواہد (آٹھویں صدی ھجری تک) خواجہ احرار کے حالات اور افکار پر چند بنیادی ماخذ، خواجہ باقی باللہ سے منسوب ایک رسالے کی اصلیت صوفیائے بیجاپور کے دو اہم فارسی تذکرے، بلگرام کے ایک علمی خانوادے کی سندھ میں وقایع نگاری (کلہوڑا عہد میں) ۱۲ صدی ہجری میں لاہور کے چند علماء۔

آثار و کتب: شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ایک نایاب مجموعہ تحریرات، فتوحات المکیہ والفیوضات المدنیہ، کلیات وزیر وزیری: گیارہویں صدی ہجری کے ایک تاتاری نژاد چینی فارسی گو کی شاعری، منتخب التواریخ موءلفہ محمد یوسف اٹکی (تاریخ سندھ سے متعلق چند حوالے)، صداقت کنجاہی کی مثنوی ''خط بغداد''، والہ داغستانی کے دیوان کا ایک معاصر مخطوطہ اور اس کا اردو کلام، تذکرہ حدیقہء ہندی: برصغیر میں فارسی کے رواج و رونق کے بارے میں ایک اہم ماخذ، جام جہاں نما: دربار لکھنو سے وابستہ ایرانی مصنف کی تاریخی و تہذیبی اہمیت کی تصنیف، شاہ غلام علی دہلوی مجددی کے ملفوظات: ایک نو دریافت مجموعہ۔

ضمیمہ: ضمیمے میں عارف نوشاہی کی تصانیف، تالیفات، مرتبات، تراجم کی فہرست کے ساتھ مضامین سے وابستہ چند عکسیات پیش کی گئی ہیں۔

☆☆☆